بشیر احمد ڈار

نظامِ شوریٰ کی اجمالی تاریخ

لفظ شوریٰ کے لغوی معنی مشورے کے ہیں اور یہ قرآن مجید کی بیالیسویں سورہ کا عنوان بھی ہے اسی سورہ کی اڑتیسویں آیت یہ ہے :

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

(وہ لوگ جو اپنے رب کی آواز پر کان لگانے رہتے ہیں اور جو نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملوں میں آپس میں مشورہ کرتے ہیں)

اس آیت میں خدا نے تمام انسانوں کو زندگی کے ہر معاملہ میں باہمی مشورہ کا حکم دیا ہے، چنانچہ آنحضرت اپنی خانگی اور پبلک زندگی میں اسی اصول پر کاربند رہے اور اسی طرح آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس کی پیروی کی۔ مشورے کی نوعیت یقیناً محدود تھی اور حالات کا تقاضا بھی ایسا ہی تھا۔ اس زمانے میں جدید طرز کا طریقۂ انتخاب نہ رائج تھا اور نہ جدید سلسلہ رسل و رسائل کی غیر حاضری میں ممکن۔ اس لئے یہ مشورہ محض چند منتخب افراد تک ہی محدود رہا۔

اسلامی دور سے پہلے بھی عرب کے کئی شہروں میں مجالس شوریٰ کا پتہ چلتا ہے جہاں مشترکہ مسائل پر بحث و تحیص کے بعد معاملات کا فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ عربوں کی سیاسی زندگی ملوکیت سے ناآشنا تھی اور قبیلوی طرز بود و ماند میں جمہوریت کا رجحان نمایاں تھا۔ مکہ، مدینہ، طائف اور وسطی عرب کے دوسرے شہروں میں کبھی کوئی بادشاہت قائم نہیں ہوئی۔ ابن قتیبہ کی کتاب المعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کا ایک باشندہ عثمان ابن حویرث جو بنو اسد قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا قسطنطنیہ میں عیسائی ہو گیا اور قیصر روم نے اس کے سر پر تاج رکھا اور یہ فرمان دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ لوگ اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں۔ قیصر روم کے فرمان سے انکار بہت خطرات کا موجب ہو سکتا تھا کیونکہ مکہ والوں کی تمام تجارت مصر، فلسطین اور شام سے ہوتی تھی اور یہ تمام ملک اس کے ماتحت تھے۔ اس تجارتی ناکہ بندی سے عربوں کی زندگی تباہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ لوگوں نے اس کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تمام خطرات کو برداشت کیا۔ قیصر روم نے تجارت کے تمام ذرائع بند کر دیئے اور چند عربوں کو جو اس وقت ان علاقوں میں موجود تھے قید کر لیا۔ باوجود دیگر اختلافات کے تمام عرب خواہ شہری ہوں یا بدو اس جمہوری طرز کے دلدادہ تھے اور اسی لئے تمام معاملات میں وہ انہی مجالس شوریٰ پر انحصار کرتے تھے جو ان کے بزرگوں اور صائب رائے لوگوں پر

ملہ یہ مضمون ایس ملے قادر حسین صاحب کے ایک مقالہ کا خلاصہ ہے جو پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے مجلہ بابت اپریل [illegible] میں شائع ہوا تھا۔

مشتمل ہوتی تھی۔ اس مجلس کا صدر ایک شیخ ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے ممبر منتخب تو نہ ہوتے تھے لیکن پھر بھی وہ تمام قبیلے کے افراد کی نمائندگی کے فرائض بخوبی سرانجام دیتے تھے۔ شیخ کے مرنے کے بعد قبیلہ کا وہ فرد اس کا جانشین ہوتا تھا جو سب سے زیادہ بااثر ہوتا تھا یا عمر میں بڑا یا اس نے قبیلہ کے مشترکہ مفاد کے لئے کوئی کارنمایاں کیا ہو۔ اس انتخاب کے لئے کوئی لمبا چوڑا قاعدہ نہ تھا اور نہ ان قبیلوں کی سادہ زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ممکن تھا۔ قبیلہ کے تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تھے اور بحث شروع ہو جاتی تھی۔ اسی بحث کے نتیجہ میں ایک شخص کا انتخاب عمل میں آتا اور اس کے بعد تمام حاضرین نئے شیخ کے ہاتھ پر وفاداری اور تابعداری کا حلف اٹھاتے تھے جس کو بیعت کہا جاتا تھا اور اس کا عمل یہ ہوتا تھا کہ ہر شخص شیخ کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا تھا۔ قبیلہ کے تمام باہمی جھگڑوں کا فیصلہ اسی مجلس میں ہوتا تھا اور کسی دوسرے قبیلے کے خلاف جنگ یا اس سے صلح و اتحاد کے مسئلے بھی یہیں طے ہوتے تھے۔

وسطی عرب کے تمام بڑے شہروں میں ایسی مجالس موجود تھیں اور ان مجالس کے ممبروں کو 'ملأ' (دیکھو قرآن مجید سورہ البقرہ ۲۴۶ : ۲) کہتے تھے۔ مکہ کی مجلس میں صرف چالیس برس کی عمر کے لوگ شامل ہو سکتے تھے۔ ابن قصی کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، بعد میں اس اصول میں کافی ترمیم ہو گئی۔ مثلاً ابوجہل ۳۰ برس کی عمر ہی میں اور حاکم ابن حزم ۱۵ یا ۲۰ کی عمر کے باوجود اس مجلس کے ارکان منتخب ہوئے۔

قصی نے ان مجالس کے لئے ایک خاص جگہ تعمیر کرائی جس کا نام دار الندوہ رکھا گیا۔ یہ کعبہ سے کوئی چند گز شمال کی طرف واقع تھا۔ اگرچہ بعد میں حرم کعبہ کی توسیع کے خیال سے اس کو مسمار کر دیا گیا۔ ان مجالس کے انعقاد کا انحصار صرف ضرورت پر تھا اور کسی مہینہ یا دن کی تخصیص نہ تھی۔ کاروان اسی دار الندوہ سے روانہ ہوتے تھے اور یہیں واپس آکر اپنے حالات اور تجربات بیان کرتے تھے اور غالباً اسی جگہ اس تمام اسباب پر عشر وصول کیا جاتا تھا جو مکہ سے ہو کر گزرتا تھا، یہیں جنگ اور صلح کا فیصلہ ہوتا اور غیر ملکی مہمان یہیں آکر قیام پذیر ہوتے تھے۔ چونکہ مجلس کے پاس کوئی قوت قاہرہ نہ تھی اس لئے اس کے فیصلوں پر عمل تمامتر اخلاقی دباؤ اور معاشرتی ضرورت پر مبنی تھا۔

اس مرکزی مجلس کے علاوہ مکہ کے مختلف حلقوں میں مختلف قبیلوں کی علیحدہ مجالس بھی تھیں اور کبھی کبھی شہر کے تمام باشندے ایک جگہ جمع ہو کر اہم معاملات میں اپنی رائے دیتے تھے۔ اس کو نادی قوم کہا جاتا تھا۔ اس طرح مکہ میں گویا تین قسم کے اجتماع ہوتے تھے۔ ایک مرکزی جس کو ملأ کہتے تھے۔ دوسری قبیلوی یا حلقہ وار مجلس جو ہر قبیلے اور ہر حلقے کی علیحدہ ہوتی تھی اور تیسرا شہر کے تمام باشندوں کا اجتماع جس کو نادی قوم کہا جاتا تھا۔ یہی نظام تقریباً دوسرے شہروں میں بھی رائج تھا۔

اسلام کے بعد مجلس کا کام بہت محدود ہو گیا۔ آنحضرت اور خلفائے راشدین کے عہد میں مرکز میں صرف ۲ اجتماعات

کا ذکر آتا ہے ایک مجلس شوریٰ جس میں بڑے بڑے صحابہ شامل ہوتے تھے اور دوسری، عام مسلمانوں کا اجتماع۔ مجلس شوریٰ کا نظام دستوری حیثیت سے مامون الرشید کے عہد میں جا کر قائم ہوا، آنحضرت اور خلفائے راشدین عام طور پر قوم کے مشہور افراد کو بلا کر ان سے ریاستی معاملات کے متعلق مشورہ لیا کرتے تھے۔ خاص خاص اہم موقعوں پر تمام شہر کے لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا تھا اور ان کے سامنے معاملات پیش کئے جاتے تھے تاکہ کوئی متفقہ فیصلہ ہو سکے۔

چنانچہ بدر کی جنگ میں آپ نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور مکہ والوں سے لڑائی کرنے کے متعلق استصواب کیا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، مقداد بن عمرو اور سعد بن معاذ بھی موجود تھے۔ چنانچہ وہ تقریریں جو مقداد اور سعد بن معاذ نے اس موقع پر کیں طبری (جلد اول) میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ جنگ کے لئے خاص جگہ کا انتخاب کرنے کے لئے بھی مشورہ کیا، اور اپنی رائے کو ترک کر کے مدینہ کے ایک مشہور ماہر حرب حباب بن منذر کی رائے پر عمل کیا۔ اسی طرح اگلے سال جب مکہ والوں نے مدینہ پر حملہ کیا تو آپ نے لوگوں سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا کہ آیا شہر بند ہو کر لڑائی لڑی جائے یا باہر نکل کر میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ آنحضرت خود پہلی رائے کے حامی تھے اور عبداللہ بن ابی آپ کے موید تھے۔ لیکن اکثریت کی رائے تھی کہ کھلے میدان میں لڑائی بہتر ہو گی۔ چنانچہ کثرت رائے کے مطابق عمل کیا گیا۔ پس آنحضرت کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سب اہم معاملات میں چند تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینے پر اکتفا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اسی مسلک کی پیروی کی اگرچہ یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ نے بعض دفعہ صحابہ کے مشورہ پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عمل قوم کے حق میں بہتر اور زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا۔ آنحضرت نے وفات سے قبل شام میں ایک فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا جہاں لوگوں نے زید بن حارثہ کو شہید کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے زید کے نوجوان لڑکے اسامہ کو اس فوج کا سردار مقرر کیا۔ آنحضرت کی وفات کے باعث یہ فوج روانہ نہ ہو سکی اور اس کے علاوہ عرب کے کئی قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان خطرناک حالات سے متاثر ہو کر حضرت عمر نے رائے دی کہ زکوٰۃ کی وصولی کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر دی جاتے اور اسی طرح شام کی طرف فوج بھیجنے کا ارادہ بھی چھوڑ دیا جائے یا اگر بھیجنا ہی منظور ہو تو کسی تجربہ کار جرنیل کو اسامہ کی جگہ مامور کیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں مشوروں کو رد کر دیا۔ اسامہ کی سرکردگی میں مہم کامیاب رہی اور باغی عربوں نے تھوڑے ہی عرصے میں ہتھیار ڈال دیئے۔

حضرت عمر کے عہد میں مجلس شوریٰ کا حال زیادہ تفصیل سے ملتا ہے۔ دو مختلف مواقع پر عام مجلس قائم ہوئی، ایک جنگ قادسیہ کے وقت جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آیا خلیفہ خود جہاد میں شرکت کرے یا کسی اور کو اپنی جگہ نامزد کرے اور دوسری مجلس اس وقت ہوئی جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ عراق اور شام کے مفتوحہ ممالک کی زمین مجاہدین میں

تقسیم ہو یا نہ۔

پہلے معاملہ میں حضرت عمر نے ذاتی فیصلہ جنگ میں شامل ہونے کا کیا۔ حضرت علی کو نائب خلیفہ مقرر کیا اور حضرت زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف کو دائیں اور بائیں بازو کے امیر۔ لیکن مدینہ سے چلنے پڑاؤ پر یہ سوال بڑے زور شور سے پیدا ہوا کہ آیا خلیفہ کو جہاد میں خود شامل ہونا چاہیئے یا نہیں۔ حضرت عمر نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ انہوں نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی۔ اس کے بعد اہل الرائے کی مجلس قائم ہوئی۔ ان سب کی رائے تھی کہ وہ خود جہاد میں شریک نہ ہوں بلکہ پیچھے رہ کر اگر ضرورت ہو تو کمک وغیرہ بھیجنے کا انتظام کریں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت طلحہ کی رائے تھی کہ خلیفہ بذات خود امیر الجیش ہوں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے اس کے برعکس تھی۔ ان کا خیال تھا کہ شکست یا خلیفہ کی شہادت کی وجہ سے زائیدہ مملکت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور پیچھے رہنے میں شکست کی تلافی بہ آسانی ہو سکتی ہے۔ اہل الرائے کی مجلس کے بعد حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور ان کو فیصلہ سے آگاہ کیا اور کہا کہ "مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کریں۔ عام لوگوں کا فرض ہے کہ حاکموں کی مکمل تابعداری کریں، اور حاکموں کا فرض ہے کہ اہل الرائے کے مشوروں پر عمل کریں"۔ چنانچہ اسی مجلس عوام میں یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت عمر کا فوج کے ساتھ جانا صحیح نہیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو امیر الجیش مقرر کیا گیا۔

دوسری مجلس کی تفصیل بھی اسی نوعیت کی ہے۔ شام و عراق کی فتح کے بعد فوجیوں نے مفتوحہ زمینوں پر اپنے حق کا مطالبہ کیا۔ اس مسئلہ میں دونوں قسم کی مثالیں آنحضرت کے عہد میں موجود تھیں۔ مثلاً بنو نظیر اور بنو قریظہ کی تمام زمینیں سپاہیوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ لیکن خیبر کی فتح کے بعد کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا گیا اور کثیر حصہ مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیا اور صرف نصف پیداوار کی مقدار کا خراج ان پر عاید کیا گیا تھا۔ حضرت عمر مفتوحہ ممالک کی زمینوں کو سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے خلاف تھے۔ ان کی نگاہ میں عرب مملکت کا مفاد اور مستقبل کے مسلمانوں کی ضروریات تھیں۔ حضرات علی، عثمان اور طلحہ حضرت عمر سے متفق تھے۔ لیکن حضرات عبدالرحمٰن، زبیر، اور بلال اور فوجی کمانڈر اس کے برخلاف۔

حضرت عمر نے مجلس عام منعقد کی اور کئی دن تک اس مسئلہ پر بحث ہوتی رہی۔ مخالفین کی رائے تھی کہ آئندہ زمانے کے مسلمانوں کے مسائل اور ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس تقسیم اراضی کو ختم کرنا صحیح نہیں۔ اس پر حضرت عمر نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کا حوالہ دیا:۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ... لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ... وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ ... وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (۵۹: ۷ - ۱۰)

(وہ چیز جو خدا نے شہر والوں سے لے کر رسول کو دی ہے وہ اللہ کے لئے ہے، رسول،

رشتہ داروں، یتیم، مسکین اور مسافر کے لئے ہے ... اور مہاجرین میں سے غریبوں کے لئے اور
ان کے لئے جن کے (مدینہ میں) مکان تھے، اور ان کے لئے جو ان کے بعد آئیں گے۔)

حضرت عمر نے ان آیات کے آخری حصے پر زور دیا۔ چنانچہ ان کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوا کہ آنے والی نسلوں کا بھی مسلمانوں کی فئے میں حصہ ہے۔

ان تفاصیل سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:-

(۱) عوام کا فرض تھا کہ وہ اپنے حاکموں کی تابعداری کریں اور حاکموں کے ذمہ یہ فرض تھا کہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ کی پابندی کریں۔

(۲) دو مختلف دستوری ادارے تھے:
مجلس شوریٰ اور مجلس عام

(۳) مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لئے خلیفہ خود انفرادی دعوت نامہ جاری کرتا تھا اور مجلس عام کے لئے منادی ہوتی تھی۔

(۴) مجلس شوریٰ کا فیصلہ (اگر متفقہ ہو) مجلس عام کے فیصلہ کے مقابلہ میں زیادہ قابل عمل ہوتا تھا۔

(۵) جب مجلس شوریٰ میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو مثلاً جب تقسیم الاراضی کے وقت مخالف اور موافق رائے تقریباً مساوی تھی، تو مجلس عام کا فیصلہ قابل قبول متصور ہوتا تھا۔

مجلس شوریٰ کے ممبروں کا انتخاب باقاعدہ نہیں تھا، عام طور پر دار الخلافہ کے سمجھدار اور قابل اعتماد لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی اور اس انتخاب میں خلیفہ اپنی ذاتی رائے یا چند منتخب صحابہ کے مشورہ پر عمل کرتا۔ بعض دفعہ خود مجلس شوریٰ چند دوسرے اشخاص کو جن کی وقتی مصالح کے مطابق ضرورت ہوتی، دعوت دیتی تھی اور ان کو بھی مباحث میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر کی خلافت تک جو اصحاب اس مجلس میں شامل ہوتے رہے وہ وہی تھے جنہوں نے اسلام پہلے پہل قبول کیا، اس کی توسیع و استحکام کی خاطر مصیبتیں اٹھائیں اور جنگوں میں حصہ لیا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور معیار تھا تو وہ آنحضرت کے ساتھ قریبی رشتہ بھی متصور ہو سکتا ہے۔

حضرت عثمان کے زمانے میں مجلس شوریٰ کی یہ شکل ختم ہو گئی۔ اکثر صحابہ فوت ہو چکے تھے اور بنی امیہ کے کئی لوگ اپنی امارت کے باعث منظر عام پر آ گئے تھے۔ حضرت عثمان کی حکمت عملی سے کئی پرانے صحابہ اور چند صحابہ کے مشہور بیٹے ناراض تھے۔ خلیفہ کے مشیر اس کے چند رشتہ دار تھے۔ ایک اہم موقع پر حضرت عثمان نے اپنے گورنروں کی کانفرنس منعقد کی۔

حضرت علی کے دور حکومت میں حالات اس قدر تبدیل ہو چکے تھے کہ وہ ان امور کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ ان کی رائے ہمیشہ صائب ہوتی تھی۔ لیکن اکثر اوقات انہوں نے اسلام کے بنیادی دستوری فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اپنے کمزور مشیروں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کر دی۔

امیر معاویہ اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اپنی ذاتی حفاظت کے لئے فوج کا دستہ مقرر کیا اور ایسے حالات میں مجلس عام کا انعقاد جس میں آزادی رائے سے کسی معاملہ پر بحث ہو سکے ناممکن تھا۔ چنانچہ حضرت عمر کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک نظام شوریٰ کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ بنو امیہ کے ابتدائی دور میں ایک طرح کی مجلس تھی لیکن اس میں سوائے امیروں اور درباریوں کے کسی کو دخل نہ تھا اور ایسے ماحول میں کسی مسئلہ پر آزادانہ بحث کا کوئی امکان نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ بننے سے پہلے جب وہ حجاز کے گورنر تھے نظام شوریٰ کو قائم کرنے کی طرف توجہ دی چنانچہ انہوں نے مدینہ کے دس مشہور فقیہوں کو جمع کیا اور ان سے التجا کی کہ وہ اس کو حکومت چلانے میں مدد دیں کیونکہ وہ ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے دمشق کے شہریوں کو جمع کیا لیکن مجلس کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے یا کسی قانون کی ترمیم کے لئے نہیں بلائی گئی تھی مگر تاہم حضرت عمر بن عبدالعزیز نظام شوریٰ کے بڑے حامی تھے اور انہوں نے نیک آدمیوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا۔ ۲½ سال کی قلیل مدت میں وہ کوئی نمایاں قدم نہ اٹھا سکے۔

ولید کے مارے جانے کے بعد یزید سوم نے دمشق کے عوام کو جمع کیا اور اس طرح وہ خلیفہ منتخب ہوا۔ یہ دوسری مجلس کافی اہم ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے عملی فیصلے سے اس پرانے نظریہ کی تائید کی کہ خلیفہ کا تقرر بذریعہ انتخاب ہونا چاہیئے۔ اسی مجلس میں یزید نے اس نقطۂ نگاہ کا بھی اعلان کیا کہ منتخب شدہ فرد بھی تک خلیفہ رہ سکتا ہے، جب تک وہ عمدہ اخلاق کا حامل ہو، جس کی غیر موجودگی میں مجلس عام اس کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو نامزد کر سکتی ہے۔ نظری طور پر تو بنی امیہ کے عہد میں یہ تسلیم کیا جاتا رہا کہ خلیفہ کو چاہیئے کہ عوام کے چند منتخب نمائندوں سے مشورہ کیا کرے لیکن عملی طور پر اس پر کبھی عمل نہیں ہوا اور اگر کبھی مشورہ کیا بھی گیا تو صرف شاہی خاندان کے چند وفادار افراد سے۔ بنو عباس کے ابتدائی دور میں بھی یہی حالت قائم رہی۔

مامون الرشید پہلا بادشاہ تھا جس نے ایک مرکزی مجلس قائم کرنے کی طرف توجہ کی۔ اس نے تمام متفرق قوموں کے نمائندوں کو جمع کیا اور اس طرح ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ ان کو مختلف مسائل پر بحث کرنے کی پوری آزادی تھی، اور کسی قسم کا دباؤ ان پر نہیں ڈالا جاتا تھا۔ بنی عباس کی کمزوری کے بعد آل بویہ، سامانیوں، سلجوقیوں وغیرہ سبھی نے ایسی مجالس قائم رکھیں جن میں عوام کے نمائندے شامل ہوتے تھے۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانے میں مجلس شوریٰ کا اجلاس باقاعدہ ہوتا رہا کبھی وہ خود اور کبھی اس کا وزیر (قاضی فضل) اس مجلس کی صدارت کرتے تھے۔

خلاصہ

اس بحث سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ عربوں کی جمہوری روایات کے باعث اسلام سے پہلے عربوں میں مجلس شوریٰ کا وجود تھا۔ جو اسلام کے بعد ایک دستوری شکل میں منتقل ہو گیا۔ اوّل اوّل اس مجلس کے ممبروں کے

انتخاب کا معیار صرف عمر تھا یعنی بڑے بوڑھے اس میں حصہ لے سکتے تھے اگرچہ جسمانی طاقت اور خدمت کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔ بعد میں جب تجارتی کاروبار سے معاشرتی حالات میں تبدیلی ہوئی تو دولتمندوں کو بھی منتخب کیا جانے لگا چنانچہ اسلام سے پہلے مکہ کی مجلس شوریٰ میں اکثریت بنی امیہ اور بنی مخزوم کی تھی جنہوں نے تجارت سے کافی دولت پیدا کرلی تھی۔ اسلام کے بعد اس مجلس کے انتخاب میں سابقون کو ترجیح دی جانے لگی اگرچہ اس کا آخری فیصلہ خلیفۃ الوقت کی رائے پر منحصر ہوتا تھا لیکن چند نمایاں اصحاب کا شامل کرنا ناگزیر تھا اور اس طرح یہ لوگ قوم کی صحیح نمائندگی کر سکتے تھے۔ بنی امیہ کے دور میں یہ مجلس تمام قوم کی بجائے صرف امراء کی نمائندہ رہ گئی۔ عمر ثانی نے ایک مجلس شوریٰ قائم کرنے کی کوشش کی تاکہ اسلامی فقہ کی مناسب ترتیب و ترمیم ہو سکے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام مشہور فقیہہ مدینہ میں تھے اور وہ دمشق میں جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ مجلس شوریٰ اور مجلس عوام کے ممبروں کا انتخاب یقیناً موجودہ معیار سے ناقص تو ضرور تھا لیکن اتنی بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی دستور میں نظام شوریٰ کا قیام سلطنت کے لئے ناگزیر سمجھا جاتا رہا۔

اسلامک آئیڈیالوجی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

قیمت دس روپے

اسلام اینڈ کمیونزم

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

قیمت آٹھ روپے

محمد دی ایجوکیٹر

مصنفہ رابرٹ گلک

قیمت تین روپے

ویمن اِن اسلام

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

قیمت پانچ روپے بارہ آنے

فنڈامینٹل ہیومن رائٹس

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

قیمت آٹھ آنے

اسلام اینڈ تھیوکریسی

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:- ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)